© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض؟

بھارت سے دوستی کی بے تابی اور ملت اسلامیہ پاکستان کے حقیقی مفادات

خورشید احمد

دیوار برلن کے گرنے اور روس کی اشتراکی سوپر پاور کے منتشر ہو جانے سے تبدیلی کی جو لہریں رونما ہوئی ہیں وہ ابھی تک بے تاب و مضطرب ہیں اور بناؤ اور بگاڑ کا ایک ہنگامہ خیز عمل برابر رواں دواں ہے اور نہ معلوم یہ سلسلہ کب تک جاری رہے۔

قدرت کا قانون ہے کہ ایک دروبست کے بگڑنے سے حالات اس وقت تک متلاطم رہتے ہیں جب تک نیا انتظام وجود میں نہیں آ جاتا۔ دس سال قوموں کی زندگی میں کوئی بڑا عرصہ نہیں لیکن اقتدار اور بالادستی کی نئی جنگ نے ان دس برسوں میں جو گل کھلائے ہیں اور مظلوم انسانیت اس کی جو قیمت ادا کر رہی ہے وہ ہوش ربا ہے۔ دنیا کے ہر حصے میں توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ برصغیر اور مشرق اور وسطی ایشیا کی سیاست' معیشت اور ثقافت بھی اس تصادم اور تلاطم کی خصوصی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی قوتوں کے نشیب و فراز' عسکری اور سیاسی جنگوں میں فتح و شکست' معیشت کے اتار چڑھاؤ' قیادتوں کی تبدیلی' انقلابات کی آمدورفت' اگر ایک طرف تبدیلی کے اس عمل کی علامتیں ہیں تو دوسری طرف ان میں مستقبل کی تعمیر کے فکر مندوں کے لیے بڑی روشن نشانیاں اور بیش بہا قابل توجہ امکانات اور مواقع ہیں۔ قرآن پاک کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تبدیلی اور تغیر کے اس ظاہری تماشے کے پیچھے ایک عظیم مقصدی عمل بھی جاری و ساری ہوتا ہے جس سے اگر فائدہ اٹھایا جائے تو تاریخ کا رخ بدل سکتا ہے اور اگر ان مواقع کو ضائع کر دیا جائے تو کف افسوس ملنے کے سوا بہت سوں کے مقدر میں کوئی اور چیز نہیں آتی۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ○

(البقرہ ۲:۲۵۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح دفع فساد کا انتظام کرتا رہتا ہے)۔

قوموں کی باہمی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (المائدہ ۵:۶۴)

جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کر رہے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ، (آل عمران ۳:۱۴۰)

یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں (تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا) کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں۔ کیونکہ اللہ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔

ان ارشادات ربانی کی روشنی میں برصغیر میں رونما ہونے والے حالیہ واقعات پر بصیرت کی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ ذاتی رجحانات، عاجلہ مفادات، بیرونی اثرات اور کوتاہ اندیشی پر مبنی مفروضات سے بالا ہو کر ملت اسلامیہ پاکستان کے حقیقی مقاصد اور اہداف کے مطابق فیصلے اور عملی اقدام کیے جا سکیں۔

بھارت میں ہندو انتہا پرستی کا جو رجحان حالیہ انتخابات کے بعد ایک غالب قوت کی صورت میں سامنے آیا ہے حقیقت میں وہ اتنا نیا نہیں ہے۔ اس کی جڑیں بھارت کی پانچ ہزار سالہ تاریخ میں پیوست ہیں۔ خصوصیت سے پچھلی دو صدیوں میں تو ہندوؤں کی تمام اہم فکری، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں میں اس رجحان کو صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ یہی وہ رجحان ہے جس نے سرسید احمد خان سے لے کر قائداعظم محمد علی جناح تک ہر مسلمان رہنما کو "ہندو مسلم اتحاد" کے پرفریب ہدف کو ترک کرنے پر مجبور کیا اور بالآخر توجہ کا مرکز عقیدہ اور تہذیب و ثقافت بنے۔ اسی بنیاد پر آزادی کے بعد دو مملکتوں کے قیام کی صورت میں ایک نئے دروبست کو مرتب کیا گیا۔ پچھلے پچاس سال گواہ ہیں کہ امت مسلمہ نے تو کھلے دل سے اس نظام کو تسلیم کیا لیکن بھارت کی ہندو اکثریت اور اس کی سیاسی قیادتوں نے اس کو فی الحقیقت کبھی قبول نہیں کیا۔ اس کے حقیقی عزائم پر ایک عرصے تک ڈپلومیسی اور منافقت کا پردہ پڑا رہا لیکن تابہ کے؟ بالآخر آہستہ آہستہ یہ پردہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چاک ہو گیا اور ۱۹۹۲ میں بابری مسجد کی شہادت اور اس کے بعد ۱۹۹۶ اور ۱۹۹۸ کے ملک گیر انتخابات نے اس امر کو اس طرح الم نشرح کر دیا کہ اب دوست اور دشمن سب ہی ہندو انتہا پسندی کے اس غلبے کا اعتراف کر رہے ہیں، بجز خوش فہمی کے ان اسیروں کے جو آنکھیں ہوتے ہوئے بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کرتے!

برصغیر ہی نہیں پوری دنیا میں امن و سلامتی ہر مسلمان بلکہ ہر ہوش مند انسان کی خواہش اور تمنا ہے، لیکن امن و سلامتی محض خواہش سے حاصل نہیں ہوتے۔ اس کے لیے حقائق پر نظر اور مطلوب و مقصود کے حصول کو ممکن ہی نہیں ناگزیر بنا دینے کے لیے موثر حکمت عملی اور ان پر پوری قوت سے عمل ضروری ہے۔ امن اور سلامتی، بزدلی، کمزوری، ڈپلومیسی یا چاپلوسی سے حاصل نہیں ہوتے۔ یہ تو ثمرہ ہیں مقصد اور اہداف پر استقامت، تعمیر و تخلیق کے لیے موثر قوت کے حصول اور اپنی آزادی اور عزت کی حفاظت کے لیے قرار واقعی تیاری اور لام بندی کا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے امت مسلمہ کی رہنمائی صاف الفاظ میں صحیح حکمت عملی کی طرف کر دی ہے:

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ○ (الانفال ۸: ۶۰)۔

اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوف زدہ کر دو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمھاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمھارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

اور یہی وہ حکمت عملی ہے جس کی شاعر مشرق علامہ اقبال نے بڑے صاف اور دل نشین انداز میں امت مسلمہ کو تعلیم دی ہے:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
ترا زجاج ہو نہ سکے گا حریف سنگ
یہ زور دست و ضربت کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ
خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل! نہ جل ترنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیز فرمایا۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات!

ایک صاحب ایمان، حامل شریعت اور باعزت قوم کی خارجہ اور داخلی سیاست مندرجہ بالا بنیادوں سے ہٹ کر کسی دوسری بنیاد پر استوار نہیں ہو سکتی اور نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ہماری سیاسی قیادت جسے پاکستان کی بانی جماعت کی وراثت کا دعویٰ ہے اور ایک بھت بھاری عوامی مینڈیٹ کی کلغی بھی سجائے ہوئے ہے کس طرح بھارت کی ہندو انتہا پسند قیادت سے دوستی کے لیے بے چین اور مضطرب ہے، اس کے بارے میں خوش فہمیوں کا مظاہرہ کر رہی ہے اور امریکہ کی اشیرباد اور جناب اٹل بہاری واجپائی کی "اعتدال پسندی" اور "دوست نوازی" کی ریت پر امن اور دوستی کے محل تعمیر کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے اس پر حیرت ہی نہیں وحشت ہوتی ہے:۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی، اور کافری کیا ہے

اہل پاکستان کے لیے بحیثیت قوم، اس وقت سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حقائق کا صحیح صحیح ادراک کیا جائے اور خوش فہمیوں اور غیروں پر انحصار کی خیالی دنیا سے نکلا جائے۔ بلاشبہ ہمارے پاؤں زمین پر ہونے چاہییں اور ہمیں چادر دیکھ کر ہی پاؤں پھیلانے چاہییں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ نہ دنیا کے حالات اور مخالفین کی چالوں کا لحاظ ہو اور نہ اپنے مقاصد اور عزائم کا شعور اور ان پر استقامت۔ حالات کی صحیح تفہیم، وسائل کا صحت مند استعمال، قوم کی بیداری اور تعمیر اور مقابلے کے اس عمل میں بھرپور شرکت ہی سے بازی سر کی جا سکتی ہے۔ یہی ہماری بقا اور ترقی کا راستہ ہے۔

ا۔ عالمی سطح پر اس حقیقت کا ادراک بے حد ضروری ہے کہ امریکہ کی ساری کوشش پوری دنیا پر اپنی سیاسی، معاشی، عسکری اور ثقافتی بالادستی اور تسلط قائم کرنا ہے۔ مسئلہ محض دوستی اور تعاون کا نہیں ــــ دوستی اور تعاون تو سب کے دل کی آواز ہے لیکن اس سے کیسے صرف نظر کیا جائے کہ آج کی واحد سوپر پاور کا منصوبہ محض دوستی کا نہیں بالادستی اور تسلط قائم کرنے کا ہے جس کا اظہار کھلے اور چھپے سابق صدر جارج بش اور ان کی ٹیم سے لے کر صدر کلنٹن اور ان کے مشیروں کے ارشادات سے ہو رہا ہے۔ تازہ ترین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعلان سی ٹی بی ٹی (CTBT) کے سلسلے میں کلنٹن انتظامیہ کا ہے جس پر لندن کے روزنامہ گارڈین (The Guardian) نے اپنی ۷ اپریل ۱۹۹۸ کی اشاعت میں ادارتی نوٹ کی شکل میں یہ تبصرہ کیا ہے:

لیکن اس کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ اس معاہدے کے بارے میں بڑے پیمانے پر اضطراب اور بے اعتمادی پائی جاتی ہے اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ سارا کھیل صرف پانچ نیوکلیر ملکوں کی بالادستی اور استیلا کو سند جواز فراہم کرتا ہے۔ کلنٹن انتظامیہ نے تو صاف کہا ہے کہ اس معاہدے کا مقصد دوسرے ممالک کو نیوکلیر ہتھیار حاصل کرنے سے روکنا ہے تاکہ پوری دنیا کے لیے امریکہ کی قیادت واشگاف ہو جائے۔ اسی طرح امریکہ کی قومی سلامتی کونسل کے اسلحے کے ڈائرکٹر روبرٹ بیل نے کہا ہے کہ "معاہدے کا مقصد بم کا خاتمہ نہیں صرف بانگ (Bang) کا خاتمہ ہے (یعنی دوسرے یہ تجربہ نہ کر سکیں)"۔

۲- علاقائی طور پر دوسروں کو جو طفل تسلی دی جائے، اس سے قطع نظر، امریکہ کا واضح ہدف چین کے گرد حصار تنگ کرنا اور ایشیا میں متبادل عالمی قوتوں کے ابھار کو روکنا ہے، خصوصیت سے چین، جاپان، اور ملت اسلامیہ کے لیے بھارت کو ایک مقابلے کی ایشیائی طاقت بنانا اس منصوبے کا اہم حصہ ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پاکستان بھارت کی بالادستی کو، کسی نہ کسی عنوان سے، خواہ وہ عنوان علاقائی تعاون اور دوستی ہی کیوں نہ ہو، قبول نہ کر لے۔

۳- علاقائی سطح ہی پر دوسرا ہدف مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کو اتنا مضبوط کر دینا ہے کہ وہ پوری عرب دنیا ہی نہیں پوری اسلامی دنیا پر قابو پا سکے--- عسکری اعتبار سے ان پر حاوی ہو اور محض قوت کے بل پر امن کا ڈھونگ رچا کر معاشی اعتبار سے پوری عرب اور اسلامی دنیا کو اس کی گرفت میں لایا جا سکے۔ پھر بھارت اور اسرائیل، جن میں عسکری، سیاسی، معاشی، تحقیقی، جاسوسی غرض ہر سطح پر باہمی گہرا تعاون ہے، مل کر اس پورے علاقے کے نمبردار ہوں اور اس طرح خود اپنے اور امریکہ کے مقاصد کو پورا کر سکیں۔

۴- علاقائی سطح ہی پر اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم ممالک اور عرب ممالک میں کوئی حقیقی اتحاد قائم نہ ہو سکے۔ یہ آپس میں دست و گریباں رہیں اور ان کے وسائل سے دوسرے پورا پورا فائدہ اٹھاتے رہیں تاکہ یہ وسائل خود علاقے کے لوگوں کی خوشحالی اور ایک طاقتور مسلم بلاک کے وجود میں آنے کے لیے استعمال نہ ہو سکیں۔

۵- خود بھارت کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لیے ایسے حالات کی حوصلہ افزائی ہو کہ ملک گیر سیاسی قوتیں کمزور اور علاقائی جماعتیں مضبوط ہوں تاکہ ان قوتوں کو مختلف انداز میں بطور آلہ کار (leverage) استعمال کیا جا سکے۔ نیز ملک میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کا عمل دخل بڑھے جو مستقبل میں پالیسیوں پر اثرانداز ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکیں۔

۶- پاکستان میں ان قوتوں کی حوصلہ افزائی ہو جو ایک طرف پاکستان کی منڈیوں کو امریکی اور یورپی سرمائے اور مصنوعات کے لیے کھول دیں، دفاع کے وسائل کو کم کرنے کے لیے تیار ہوں، نیوکلیر قوت کو مغربی ممالک کے حکم کے مطابق نکیل دینے کے لیے آمادہ ہوں، مغربی ثقافت و تہذیب کے دلدادہ ہوں اور بھارت سے معاشی، ثقافتی اور سیاسی دوستی ہی نہیں، اتحاد اور الحاق تک کے لیے صف بستہ ہو سکیں۔ مسئلہ کشمیر کو نمٹانے (liquidate) کے لیے کوئی اوسلو ٹائپ، یا آئرلینڈ کے ماڈل پر کھیل کھیلا جائے۔ پاکستان کو عرب دنیا، وسط ایشیا اور عالم اسلام سے، جو اس کا فطری مقام ہے، کاٹ کر، بھارت اور جنوبی ایشیا سے جوڑا جائے جس سے کٹ کر یہ ملک وجود میں آیا تھا۔ افغانستان اور ایران سے فاصلے بڑھائے جائیں، جنوبی ایشیا اور سارک کی زنجیروں کو مضبوط کیا جائے اور پاکستان اور چین کی دوستی میں شگاف ڈالا جائے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں آزاد خیالی کے نام پر سیکولرازم اور بھارت سے مشترک ثقافت، تہذیب، ادب اور معیشت کا پرچار ہو، نیز آزادی نسواں (feminism) کی تحریک کو مغربی ثقافتی انداز میں آگے بڑھایا جائے تاکہ خاندان کا حصار پارہ پارہ ہو جائے، نئی نسل کو لسانیت، طبقہ واریت، تشدد، منشیات اور عیش و عشرت کی راہ پر ڈالا جائے، تعلیم اور انسانی وسائل کی ترقی کے نام پر فوج کی تخفیف (down-sizing) ہو (لطف یہ ہے کہ بیرونی قرض اور ان پر ادا کیا جانے والا سود بجٹ کی کل آمدنی کا ۵۰ فی صد کھا جاتا ہے مگر اس کا کوئی ذکر نہیں اور بڑے بڑے ماہرین معاشیات اور سابقہ وزرائے خزانہ جو قرضوں کے اس پہاڑ کا بوجھ مفلس قوم کے کاندھوں پر لادنے کے ذمہ دار رہے ہیں، دفاع پر خرچ ہونے والی رقوم کو، جو ادا کیے جانے والے سود کا اب نصف حصہ ہیں، اصل ہدف بنائے ہوئے ہیں)۔ اس حکمت عملی کا ایک اہم حصہ نیوکلیر قوت سے پاکستان کو محروم کرنا ہے لیکن اس کی سابقہ کوششوں میں ناکامی کے بعد اب ایک نئی حکمت عملی وضع ہوتی نظر آرہی ہے جس کے بارے میں ہمیں خطرہ ہے کہ صدر کلنٹن کی متوقع تشریف آوری کے موقع پر سی ٹی بی ٹی پر کسی نہ کسی شکل میں پاکستان اور شاید بھارت کی بھی شرکت کا اہتمام کیا جائے۔

یہ چھ نکاتی پلان ہے جس پر مغربی اقوام عمل پیرا ہیں۔ اب دیکھیے کہ اس میں بھارت کی حالیہ تبدیلیوں کا کیا مقام ہے اور حکومت پاکستان اس ملک کو کس رخ پر لے جانا چاہ رہی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کا قیام بظاہر ۱۹۸۰ میں ہوا اور ۱۸ سال میں وہ سیاسی افق پر تقریباً چھا گئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو انتہا پسندی کی تحریک انیسویں صدی کے آغاز ہی سے پروان چڑھ رہی ہے۔ ۱۸۲۰ میں پہلی تحریک وجود میں آئی۔ اس طرح کانگریس کے شانہ بہ شانہ ہندو سبھا (۱۹۰۷) اور پھر ہندو مہاسبھا (۱۹۱۸) اپنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کردار ادا کر رہی تھی۔ راشٹریہ سیوک سنگھ کا قیام ستمبر ۱۹۲۵ میں ہوا اور اس سے پہلے ۱۹۲۳ میں ہندو انتہا پسند رہنما ساورکر (V.D. Savarkar) نے انتہا پسندی کے فلسفہ کو ہندووتا (Hindutva) نامی کتابچے میں پیش کیا جو آج تک اس تحریک کی بائیبل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا حصول خود بی جے پی کا اصل ہدف ہے۔ ساورکر کا یہ کتابچہ رگ ویدا (Rig Veda) پر مبنی ہے اور اس کی رو سے ہندو وہ ہے جس کو پیدائش اور زمین کے مقدس رشتے جوڑے ہوئے ہوں۔ اس نظام میں ہندو اور ہندستان۔ مقدس مادر وطن --- پتروبھو (Pitrubhu) اور پونیابھو (Punyabhu)۔ روح اور جسم کا سا تعلق رکھتے ہیں۔ مقدس زمین کو تین مقدس دریاؤں یعنی دریائے سندھ، گنگا اور برہم پوترا نے گھیرا ہوا ہے۔ ساورکر نے خود ہندو مہاسبھا میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اس نے اور ہیگ وار (K.B.Hedg War) نے جو ساورکر کے تصور ہندووتا پر ایمان رکھتا تھا اور ان کا مبلغ بنا، راشٹریہ سیوک سنگھ کی داغ بیل ڈالی۔ ستمبر ۱۹۲۵ میں دسہرے کے ہندو تہوار کے موقع پر جو راون پر کرشنا کی فتح کی علامت ہے، پہلا سیوک (sevak) ناگ پور کے مقام پر قائم ہوا اور پھر تیزی سے یہ نیم عسکری تحریک بڑھتی رہی۔ دو مرتبہ بندش بھی راہ کھوٹی نہ کر سکی اور آہستہ آہستہ راشٹریہ سیوک سنگھ ہندو انتہا پسندی کی ریڑھ کی ہڈی بن گیا۔ آر ایس ایس نے ۱۹۸۹ میں دعویٰ کیا تھا کہ اس کے دائرے میں ۱۸ لاکھ تربیت یافتہ سیوک ہیں جو ۲۵ ہزار شاخوں میں ۱۸۸۰۰ مقامات پر سرگرم عمل ہیں۔ (ملاحظہ ہو رابرٹ ایرک فرائی کن برگ کا مضمون Hindu Fundamentalism and Structural Stability of India جو امریکہ سے شائع ہونے والے فنڈا میٹلزم پروجیکٹ کی تیسری جلد Fundamentalism and the State میں شائع ہوا ہے۔ (یونیورسٹی آف شکاگو پریس، ۱۹۹۳، ص ۲۴۲-۲۳۳)

آر ایس ایس کی اسی تحریک کے بطن سے تقسیم ہند کے بعد ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی کی قیادت میں بھارتیہ جن سنگھ وجود میں آیا۔ یہ نہرو کی مرکزی کابینہ میں وزیر تھے، انھوں نے تقسیم ملک کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ۱۹۵۱ میں لیاقت نہرو معاہدے پر احتجاج کرتے ہوئے کابینہ سے مستعفی ہو گئے تھے۔ اس کی تشکیل میں آر ایس ایس کی پوری قیادت نے مرکزی کردار ادا کیا۔ یہی وہ جن سنگھ ہے جو اٹل بہاری واجپائی کی قیادت میں مرار جی ڈیسائی کے قائم کردہ جنتا دل کا حصہ بنا اور واجپائی صاحب، سنگھ کے دوسرے لیڈر، کے ایل ایڈوانی کے ساتھ مرار جی ڈیسائی کی کابینہ میں شریک ہوئے (کل تین وزیر جن سنگھ کے تھے، اس اسمبلی میں سنگھ کی تعداد ۹۱ بیان کی جاتی ہے)۔ جنتا دل کی حکومت کے دو دور رہے۔ اس کے ناکام ہو جانے پر بھارتیہ جن سنگھ کو ختم کر دیا گیا اور اپریل ۱۹۸۰ میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی شکل میں اس کا نیا جنم واقع ہوا جس نے ۱۹۸۴ میں دو اور ۱۹۹۸ میں ۱۷۸ نشستیں مرکزی اسمبلی میں حاصل کیں۔ اس کی متعدد صوبائی حکومتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلے سے قائم ہیں بشمول یوپی کی حکومت، جس کی قیادت میں بابری مسجد شہید کی گئی اور اب یہ پارٹی مرکزی حکومت کی قیادت کر رہی ہے۔ اس طرح یہ ایک ہی سلسلہ ہے جو کم از کم ۱۹۲۵ سے آج تک جاری ہے۔

اب اس کے فکری اور سیاسی موقف کی بنیادوں پر بھی ایک نگاہ ڈال لیں۔ فلسفیانہ سطح پر یہ ہندو تصور کائنات پر مبنی ہے اور نامیاتی وحدت (organic unity) کا قائل ہے۔ سیاسی اعتبار سے اس کے چار بنیادی اصول اور اہداف ہیں جن کا سمجھنا بہت ضروری ہے۔

پہلی چیز جو سب سے بنیادی ہے وہ اس کا تصور قومیت و اجتماعیت ہے جسے سلور کر کے خیالات کے خلاصے کے طور پر تحریک کے مفکر گولوالکر (M.S. Golwalkar) نے اپنی کتاب 'We, Our Nationhood Defined' میں پیش کیا ہے اور جو آج بھی بی جے پی کا منشور اور اس کی حکمت عملی کی روح ہے۔ "ایک ملک' ایک قوم اور ایک کلچر" اس کا مرکزی تصور ہے۔ گولوالکر کہتا ہے:

ہندستان کے غیر ہندو لوگوں کو ہندو کلچر اور زبان اختیار کرنا چاہیے' ہندو مذہب کا احترام کرنا اور اسے مقدس سمجھنا سیکھنا چاہیے' ہندو نسل اور کلچر کی عظمت کے علاوہ کوئی خیال انھیں نہ آنا چاہیے یعنی انھیں اس زمین اور اس کی قدیم روایات کے لیے نہ صرف اپنا عدم رواداری اور ناشکری کا رویہ ترک کر دینا چاہیے بلکہ اس کے بجائے محبت اور وابستگی کا مثبت رویہ پرورش کرنا چاہیے۔ ایک لفظ میں کہا جائے تو انھیں غیر ملکی نہیں رہنا چاہیے۔ اس ملک میں ہندو قوم کی مکمل ماتحتی میں رہنا چاہیے۔ کسی دعوے کے بغیر' کسی استحقاق کے بغیر کجا یہ کہ کوئی ترجیحی سلوک ہو' حتیٰ کہ شہری حقوق بھی نہیں۔ (مہادیو سوداشر گولوالکر We, Our Nationhood Defined ناگپور' بھارت پرکاش' ۱۹۳۹' ۱۹۴۷' ص ۴۳-۵۴)

گولوالکر اور اس مکتب فکر کی پوری قیادت مسلمانوں (اور اسی طرح عیسائیوں) کو غیر ملکی (foreigner) قرار دیتی ہے اور ان کے لیے زندہ رہنے کا واحد راستہ اپنے کو ہندوتا کے رنگ میں رنگنے اور اس میں ضم ہو جانے میں قرار دیتی ہے۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی حالیہ فتح پر لندن کے روزنامہ انڈی پینڈنٹ کے نامہ نگار پیٹر پوپھام (Peter Popham) نے بی جے پی اور آر ایس ایس کے ذہن کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

بی جے پی دوسری پارٹیوں کی طرح پارٹی نہیں ہے۔ یہ ۷۳ سال قبل قائم ہونے والی نیم فوجی تنظیم راشٹریہ سیوک سنگھ کا سیاسی بازو ہے۔ آر ایس ایس اپنی بہت اہمیت سمجھتی ہے۔ برطانوی دور کے آخری عشروں میں اس کا نشوونما ہندوؤں کے لیے وہ کچھ کرنے کی کوشش تھی جو اٹلی اور جرمنی کے لیے مسولینی اور ہٹلر کر رہے تھے: قومی استحکام اور نسل کو خالص رکھنے (purity) کے سنہرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور کا آغاز‘ قوم کے دشمنوں کی شناخت اور انھیں بدنام کر کے قومی استحکام کا حصول‘ اور جاں نثار نیم فوجی دستوں کے ذریعے ریاست پر قبضہ کرنے کا انتظام۔

آر ایس ایس کی ویب سائٹ (Website) کا اعلان ہے: ”ایک وقت تھا کہ ہمارا ملک آزاد اور خوش حال تھا اور زندگی کے ہر میدان میں اعلیٰ مقام تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن چند غیر ملکی حملہ آوروں کے ہاتھوں شکست خوردہ اور بے عزت ہو گیا۔ ”مسلم مسئلہ“ ہر وقت ذہنوں پر طاری رہا ہے۔ ہندستانی آبادی کی ۱۱ فی صد آبادی کا کیا کیا جائے جن کی وفاداری لارڈ راما سے نہیں‘ مکہ سے ہے۔ آر ایس ایس کا رہنما گولوالکر جسے اب بھی صرف گرو کہا جاتا ہے‘ اس بارے میں ہٹلر کے اپنے semitic مسئلے کے لیے رویے سے تحریک حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ”اپنی قوم اور اس کے کلچر کو خالص رکھنے کے لیے جرمنی نے اپنی پوری آبادی کا صفایا کر کے دنیا کو حیرت زدہ (shocked) کر دیا تھا۔ یہاں قومی افتخار کا اعلیٰ ترین شکل میں اظہار کیا گیا۔ جرمنی کی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نسلوں اور تہذیبوں کے لیے جن کی اختلافات گہرے ہیں باہم جذب ہونا کتنا ناممکن ہے“۔ آر ایس ایس کے بنیادی عقائد برسوں سے ایک ہی ہیں۔ مسلمان اور دوسری اقلیتیں اب بھی آسیب کی طرح ذہن پر سوار (obsession) ہیں۔ (دی انڈی پنڈنٹ‘ لندن ۲۲ مارچ‘ ۱۹۹۸ India's New Rulers Enter With a Whiff of Fascism)

امریکہ کے رسالے ٹائم کا نمایندہ اپنی کتاب ‘The Indian Unrest’ میں کہتا ہے:

> گزشتہ ۲۰ برسوں کے ہندو احیا کا پورا کا پورا رجحان مستقلاً مسلمان دشمنی پر مرکوز رہا ہے۔ مسلمانوں کو ہندو مذہب‘ تہذیب اور ثقافت میں ضم کر کے ان کی عملاً شدھی کرنا ہی ہندوتا کی اصل ہے۔

آر ایس ایس‘ بھارتیہ جن سنگھ اور خود بھارتیہ جنتا پارٹی کے بنیادی مسلک کا دوسرا نکتہ بھارت کی وحدت کا قیام اور تقسیم ملک پر خط تنسیخ پھیرنے کا پروگرام ہے۔ یہ پروگرام جن سنگھ کے منشور کا پہلا نکتہ ہے یعنی: اکھنڈ بھارت ہمارا سرمایہ حیات ہے (United India is our life blood)۔ البتہ بھارتیہ جنتا پارٹی نے اسے ذرا گھما پھرا کر بیان کیا ہے۔ پروفیسر ڈی ڈی پاٹاناٹیک (D.D. Pattanaik) اپنی کتاب Hindu Nationalism in India کی جلد ۳ میں جن سنگھ اور بی جے پی دونوں کے لٹریچر کا جائزہ لینے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ دونوں بالآخر تقسیم ملک کو ختم کرنے اور بھارت کی ایکتا قائم کرنے کا ہدف رکھتی ہیں۔ بات صرف پاکستان اور بنگلہ دیش ہی تک محدود نہیں بلکہ تمام ہمسایہ ممالک جو کبھی بھارت کا حصہ تھے وسیع تر ہندستان (Greater India) کا ہدف ہیں۔ گوبی جے پی کے سلسلے میں اتنا اضافہ کرتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی اتحاد قابلِ عمل نہ ہو' لیکن تہذیبی لحاظ سے یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ بی جے پی کے سابق صدر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے یہ بیان کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ پڑوس کے ان ممالک کا رضاکارانہ انضمام ہو سکتا ہے جو ماضی میں ہندستان کا حصہ تھے یعنی پاکستان' بنگلہ دیش' نیپال' بھوٹان' برما اور سری لنکا۔ ("دی اسٹیٹسمین" ۱۹ جنوری ۱۹۹۲ بحوالہ کتاب مذکور' جلد سوم' ص ۱۲۹)

۱۹۹۰ میں بھارتیہ جنتا پارٹی نے جو ایکتا مارچ سومنات سے کشمیر تک کیا تھا' اس کا مقصد بھی اسی ہدف کا اظہار تھا۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی حکومت کے بننے کے بعد اس کے سیکرٹری جنرل نے صرف یہی اعلان نہیں کیا کہ ہم پاکستان اور چین سے اپنے علاقے واپس لے لیں گے بلکہ جنوبی ایشیا کے ممالک کی کنفیڈریشن کی تجویز بھی پیش کی ہے۔ تحریک تکمیل پاکستان کے سربراہ محمود علی اور سردار عبدالقیوم نے اس خطرے کا برملا اظہار کیا ہے کہ کسی نہ کسی شکل میں اکھنڈ بھارت کا قیام برعظیم کی سیاست کا ایک اہم ہدف بنتا جا رہا ہے جسے خود امریکہ کی تائید بھی حاصل ہو رہی ہے اور ملک میں بھی ایک لابی اس کے لیے سرگرم عمل ہے۔ (ملاحظہ ہو نوائے وقت سردار عبدالقیوم خان کا بیان۔ اداریہ اکھنڈ بھارت منصوبے کا انکشاف' یکم مارچ ۱۹۹۸ اور جنگ' راولپنڈی' ۷ مارچ ۱۹۹۸)

بھارتیہ جنتا پارٹی کے تصور ہند اور تصور قومیت اور پاکستان اور پورے علاقے کو ایک بار پھر کسی نوعیت کے اکھنڈ بھارت کی شکل دینا اور دنیا کے اس حصے پر بھارت کی بالادستی قائم کرنا وہ اولیں اور بنیادی مقاصد ہیں جن کے لیے اس تحریک نے گذشتہ ۷۵ سال سے کام کیا ہے اور ناموں اور تنظیموں کی تبدیلی کے باوجود ہدف یہی رہا ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے ایک طرف علمی' سیاسی اور ثقافتی میدانوں میں کام ہو رہا ہے تو دوسری طرف ایک ایسی عسکری قوت تیار کی جا رہی ہے اور روایتی اور غیر روایتی اسلحہ بندی ہو رہی ہے جس کے بل پر بھارت پورے علاقے کا نگراں بن سکے اور اس طرح صرف علاقائی نہیں کسی درجہ کی عالمی طاقت بن سکے۔

ان کے علاوہ دو مزید اصول بنیادی حیثیت کے حامل بیان کیے گئے ہیں۔ ایک آزاد منڈی پر مبنی سرمایہ دارانہ معیشت کا قیام جو برہمنی ساہوکارانہ تصور معیشت کا نمونہ ہو اور دوسری سودیشی تصور خود کفالت کی ترویج جس کے نتیجے میں بین الاقوامی ملٹی نیشنل کارپوریشنوں کا اثر و رسوخ کم ہو اور بھارتی تجارتی کمپنیوں اور ملٹی نیشنلزم کا فروغ ہو۔

یہ چار بنیادی نکات ہیں جن کے محور کے گرد آر ایس ایس اور بھارتیہ جنتا پارٹی کی پالیسیاں اور سرگرمیاں گردش کرتی رہی ہیں اور کریں گی۔ حالیہ انتخابی کامیابی کے بعد بی جے پی اور آر ایس ایس کی قیادت نے کھل کر اعلان کیا ہے کہ مکمل اکثریت نہ ہونے کے باعث وہ مشترک ایجنڈے پر ضرور عمل کریں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گے لیکن پارٹی کا اصل ہدف منشور کے مطابق رہے گا اور وہ ایک پچیس سالہ منصوبے پر عمل پیرا ہو گی تاکہ بالآخر مکمل اقتدار حاصل کر کے اپنے حقیقی اہداف حاصل کر سکے۔

مشترک پروگرام کی خاطر بظاہر دستور کی دفعہ ۳۷۰ کو ختم کر کے کشمیر کے مکمل انضمام اور مسلمانوں کے عائلی اور شخصی قانون کو ختم کر کے مشترک سول کوڈ کے منشور میں کیے گئے دعووں کو موخر کیا گیا ہے اور اسی طرح بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا ذکر اس پروگرام میں نہیں ہے لیکن اگر بھارتی قیادت کے بیانات کا تجزیہ کیا جائے اور خود مشترک ایجنڈے کو دیکھا جائے تو روپ بدل کر ان سب چیزوں کو بھی بین السطور محفوظ رکھا گیا ہے۔ مثلاً دستوری کمیشن کا قیام جو سارے دستور پر پچاس سالہ تجربات کی روشنی میں تجاویز دے گا۔ دفعہ ۳۷۰ اور پرسنل لا کا مسئلہ اس میں آ جاتا ہے۔ رہا بابری مسجد کا مسئلہ تو وزیراعظم واجپائی اور ان کے ساتھیوں نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ: "عدالت اور قانون کا راستہ اختیار نہیں کیا جائے گا اور اس کی جگہ گفت و شنید اور اتفاق رائے سے حل نکالا جائے گا"۔ یہی رویہ ان باقی مساجد کے بارے میں اختیار کرنے کا اعلان کیا گیا ہے جو اس انتہا پسند قیادت کا ہدف ہیں یعنی متھرا اور کاشی کی مساجد اور مزید دو ہزار مساجد جو اس خونی ایجنڈے کا حصہ ہیں۔

جہاں تک نیوکلیر آپشن اور آزاد کشمیر کو پاکستان سے "آزاد" کرانے کا تعلق ہے تو اسے نئی حکومت کے پروگرام میں کھلے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح چین پر دباؤ اور عالمی طاقت بننا اس ایجنڈے کا حصہ ہے۔

بھارت کی نئی قیادت کے ذہن اور عزائم کے بارے میں کوئی غلط فہمی اور خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ مذاکرات جس سے چاہیں کریں لیکن یہ سمجھ کر کریں کہ کس سے کر رہے ہیں۔ اور اس کے عزائم اور پروگرام کے پورے ادراک اور اپنے مقاصد اور اہداف کے واضح شعور کے ساتھ کریں۔ دوسروں پر بھروسہ کرنے اور توقعات وابستہ کرنے میں ذرا احتیاط سے کام لیں اور خود اپنے ماضی کے تجربات کو نہ بھول جائیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق تو ابھی کل کے واقعات سے ہے جس کی آپ شکایت کرتے ہیں کہ: "گجرال صاحب بڑے اچھے آدمی تھے مگر وعدہ کر کے مکر گئے" اور بھارت کے خارجہ سیکرٹری نے اسلام آباد میں ایک بات کہی اور چند گھنٹے کے بعد دہلی پہنچ کر کچھ اور کہنے لگے۔ یہ صرف ایک دو بار کا معاملہ نہیں۔ پورے پچاس سال سے یہی ہو رہا ہے اور ہم ہیں کہ ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسے جا رہے ہیں اور مزید کے لیے بھی آمادہ ہیں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی اور ہندو انتہا پسندی کے تاریخی کردار اور مختلف جنموں اور رویوں میں اس کے مشترک مقاصد کو سمجھ لینے کے بعد یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کے ۷۲ سالہ وزیراعظم جناب اٹل بہاری واجپائی کے بارے میں صحیح اندازے قائم کیے جائیں اور محض سنی سنائی باتوں پر خیالی قلعے تعمیر نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے جائیں۔ بلاشبہ ان کے بارے میں یہ روایت ہے کہ "وہ ایک بری پارٹی میں ایک اچھے انسان ہیں" یا یہ کہ وہ معتدل مزاج (moderate) ہیں۔ نیز یہ بھی کہ جب وہ وزیر خارجہ تھے تو پاکستان کی اس وقت کی قیادت ان کی خوش اخلاقی سے متاثر تھی۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہوں گی اور ہمارے پیش نظر ان کی شخصی زندگی کا جائزہ نہیں۔ گو اس بارے میں بھی ہندستان کے اخبارات اور وہاں سے شائع ہونے والی کتب' خصوصیت سے ان کے اپنے پارلیمنٹ اور کابینہ کے ساتھیوں کی یادداشتیں ایسی معلومات سے بھری ہوئی ہیں جن کا جاننا ان سے مذاکرات کرنے والوں کے لیے مفید اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے میں مددگار ہو گا۔

ہمیں سب سے پہلے یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ ہم بادشاہت کے دور میں سفارت کاری نہیں کر رہے' جہاں حکمران مطلق اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور بہت کچھ انحصار اس کی ذاتی پسند و ناپسند پر ہوتا ہے۔ آج کا سیاسی نظام بالکل دوسری بنیادوں پر کام کر رہا ہے۔ بھارت میں ایک کمزور مخلوط حکومت ہے جس کے ہر سانس کا انحصار ایک دو نہیں' ۱۸ سیاسی جماعتوں اور ان کی سیماب صفت قیادتوں اور ان کے نت نئے مفادات پر ہے۔ اگر ۷ ارکان پارلیمنٹ ادھر سے ادھر ہو جائیں تو حکومت زمین پر ہو گی۔ ایسی حکومت سے یہ توقع کہ وہ کوئی بڑا فیصلہ کر سکے گی یا اسے کشمیر جیسے بنیادی مسئلے پر کسی نئے اقدام (initiative) کی ہمت ہو سکتی ہے ایسی خوش فہمی ہے جس کی داد نہیں دی جا سکتی۔

پھر واجپائی صاحب کی "اصول پرستی" اور "معتدل مزاجی" کے بارے میں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ بچپن سے جن سنگھ کے رکن بلکہ رکن رکین رہے ہیں اور آج بھی اسے اپنی روح اور زندگی قرار دیتے ہیں۔ ان کے وزیر داخلہ انتہا پسندوں میں انتہا پسند' کے ایل ایڈوانی اور ہیومن ریسورس کے وزیر شری مرلی منوہر جوشی' ایڈوانی صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ داخلہ اور انسانی وسائل کی وزارتیں ان دونوں باختیار اور متعصب ترین افراد کے پاس ہیں جو اس سے پہلے پارٹی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ بی جے پی کے ۱۳ وزیروں میں سے ۹ کا انتخاب آر ایس ایس نے کیا ہے اور واجپائی صاحب کی ایک نہ چلی۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ جسونت سنگھ کو وزارت خزانہ دیں لیکن آر ایس ایس کی مخالفت کے ہاتھوں وہ مجبور ہو گئے اور بقول روزنامہ دی ایشین ایج (لندن و دہلی) "وزیراعظم واجپائی' وزیر خزانہ کے انتخاب کے سلسلے میں بالکل تنہا رہ گئے اور ان کے نامزد شخص جسونت سنگھ کو بی جے پی میں سے ایک شخص کی بھی حمایت حاصل نہ ہو سکی"۔ (۲۱-۲۲ مارچ ۱۹۹۸)۔ آر ایس ایس کی ایسی مضبوط گرفت کی موجودگی میں ان کی "اعتدال پسندی" کس کام آ سکتی ہے۔

پھر اس اعتدال پسندی کے طلع کو بھی زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔ تمام اہم مبصر گواہی دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے ہیں کہ واجپائی صاحب کی حیثیت ایک دکھاوے کی ہے۔ اصل قوت ان کے پاس نہیں، آر ایس ایس کے پاس ہے اور اسی کا حکم چلے گا۔

رہے واجپائی صاحب، تو اس دعوے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ خود انھیں کئی کئی روپ دھارنے اور موقع محل کے مطابق رنگ بدلنے کا ملکہ حاصل ہے۔ ان کے بارے میں کلدیپ نیر کا مضمون: واجپائی صاحب کے دو چہرے (Two faces of Vajpayee, Dawn, March 28, 1998) اور ایشین ایج کا مضمون: واجپائی صاحب: پردہ کب اترے گا؟ How long before the mask is off, Mr. Vajpayee? (The Asian Age, Delhi and London 21 March, 1998) قابل مطالعہ ہیں۔ کلدیپ نیر واجپائی صاحب کے اس مضمون کا خصوصیت سے ذکر کرتا ہے جو My Soul is the RSS کے نام سے واجپائی صاحب نے لکھا تھا۔ اس میں جناب واجپائی نے فرمایا ہے:

> "ہم مسلمانوں کا مذہب نہیں بدلیں گے۔ وہ اپنا مذہب اپنائے رہیں۔ مکہ کو وہ ایک مقدس مقام سمجھتے رہیں مگر ان پر لازم ہو گا کہ وہ بھارت کی مقدس ترین حیثیت کو قبول کریں۔ وہ اپنی مسجدوں میں جائیں اور نماز پڑھیں اور روزے رکھیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر ایسا وقت آ جائے کہ انھیں اسلام یا مکہ اور بھارت میں سے ایک کو چننا ہو تو بلاتوقف بھارت کو سینے سے لگا لیں۔ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ ہم بھارت کی خاطر زندہ رہیں گے اور بھارت کے لیے جان قربان کریں گے"۔

واجپائی صاحب راشٹریہ سیوک سنگھ کے پروگرام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کے دو پہلو ہیں، اول: ہندوؤں کو منظم کرنا اور دوم: ایک ایسا مضبوط ہندو سماج تعمیر کرنا جو فکری لحاظ سے متحد ہو اور سطحی اختلافات سے بلند ہو کر اپنا پروگرام روبعمل لا سکے۔

کلدیپ نیر صاحب لکھتے ہیں کہ: وہ آر ایس ایس کی پیداوار (product) ہے اور اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ آر ایس ایس اس کے لبرل امیج کو طاقت حاصل کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ کلدیپ نیر آر ایس ایس کے سہ روزہ مشاورتی اجتماع کا بھی ذکر کرتے ہیں جس میں کہا گیا کہ ہم ۲۵ سال میں اپنے اصل اہداف حاصل کر لیں گے۔ آر ایس ایس کے جوائنٹ سیکرٹری مون داس کا بیان بھی دیا ہے جس نے صاف الفاظ میں کہا ہے کہ نہ ہم رام مندر کی تعمیر سے پیچھے ہٹیں گے اور نہ کانشی اور متھرا کے دعوے سے دست بردار ہوں گے۔ بات صرف اتنی ہے کہ "وقتی طور پر" اس پروگرام کو موخر کیا ہے اور خود واجپائی صاحب اس حکمت عملی میں شریک ہیں۔ وہ پارٹی کا منشور بناتے وقت ایک موقف اختیار کرتے ہیں اور محاذ کے مشترک پروگرام کے وقت دوسرا، ان کا ایک نہیں دو چہرے ہیں۔ گویا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس کا یقین کیجیے، کس کا نہ کیجیے
لائے ہیں ان کی بزم سے یار، خبر الگ الگ

وزیر خارجہ کی حیثیت سے واجپائی صاحب کے کردار کا بھی بار بار ذکر ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ جناب نواز شریف صاحب نے اپنے تہنیتی خط تک میں اس کا ذکر کر ڈالا ہے۔ لیکن اس بات کو نظرانداز کر دیا گیا ہے کہ وہ اس وقت، وزیراعظم مرار جی ڈیسائی کی کابینہ کے رکن تھے جنھیں بجا طور پر پاکستان کا اعلیٰ ترین سول ایوارڈ دیا گیا تھا۔ مرار جی ڈیسائی ان ہندستانی قائدین میں سے تھے جنھوں نے تقسیم ملک کو دل سے قبول کیا تھا اور ہمیشہ اس کا عملاً احترام کیا۔ انھوں نے روسی حکمران بریژنیوف کی اس دعوت کو برملا رد کر دیا تھا کہ تم پاکستان پر حملہ کرو اور ہم ساتھ دیں گے۔ واجپائی صاحب اس کابینہ کے وزیر تھے جس میں اکثریت ان کے اصل خیالات سے اتفاق نہیں رکھتی تھی لیکن اب وہ اس بی جے پی کی سربراہی میں قائم حکومت کے وزیراعظم ہیں جس کی اصل نکیل آر ایس ایس کے ہاتھ میں ہے۔

اس سلسلے میں کلدیپ نیر کے اس تبصرے کو بھی ذہن میں رکھا جائے تو مناسب ہو گا جو واجپائی صاحب کی دہری شخصیت پر روشنی ڈالتا ہے۔ کلدیپ نیر لکھتا ہے:

> جس بات نے اسلام آباد کو ساکت (speechless) کر دیا وہ یہ بات تھی کہ اس نے کہا کہ جو کچھ اس نے ماضی میں کہا ہے اسے بھلا دیا جائے اس لیے کہ اس وقت وہ جن سنگھ کا ممبر تھا اور اب جنتا پارٹی کا حصہ ہے۔ یہ دورہ انتہائی کامیاب رہا۔ کیا واجپائی کا حقیقی چہرہ سامنے آیا؟ یا اس نے حالات کی تبدیلی کے لحاظ سے اداکاری کی؟ ایک ہی وقت میں دو گھوڑوں پر سواری کرتب تو ہو سکتا ہے لیکن یہ حکومت کرنے کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح واجپائی صاحب کے کردار کا وہ پہلو بھی سامنے رہنا چاہیے جو انھوں نے جن سنگھ اور جنتا دل کو ملانے میں انجام دیا اور اس بنیاد پر یہ اتحاد بنا کہ جن سنگھ کا رشتہ آر ایس ایس سے مکمل طور پر منقطع کر دیا جائے گا۔ مشہور ہندستانی لیڈر جے پرکاش نرائن نے بھی اس سلسلے میں کلیدی رول ادا کیا تھا اور بنیادی گفتگو اور معاہدے جے پرکاش نرائن اور اٹل بہاری واجپائی ہی کے درمیان طے پائے تھے۔ لیکن آزمایش کی گھڑی آنے پر واجپائی صاحب کا کردار کیا تھا، کلدیپ نیر ہی کے الفاظ میں سنیے:

> یہ گاندھی نواز جے پرکاش نرائن تھا جس نے جن سنگھ پر اپنا پورا اعتماد کیا اور اس کو جنتا کے ساتھ لے آیا۔ جب اس نے آر ایس ایس سے اپنے تعلقات نہیں توڑے تو اسے مایوسی ہوئی۔ اس نے یہ تک کہا کہ اس کو احساس ہوتا ہے کہ اسے دھوکہ دیا گیا ہے۔ بالآخر اس کلیدی مسئلے پر جن سنگھ کے ممبر جنتا پارٹی سے واک آؤٹ کر گئے۔ واجپائی ان میں سے ایک تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنتا پارٹی کے لیڈر سبرامنیم سوامی کی خود نوشت بھارتی اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے کچھ اقتباس دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ "افکار ملی" (اپریل ۱۹۹۸) میں آئے ہیں جن سے ان کی دوہری بلکہ تہری شخصیت کے متعدد پہلو رونما ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علاقائی سازشوں میں وہ کب اور کیسا رول ادا کرتے رہے ہیں۔ اندرا گاندھی کی ایمرجنسی کی مخالفت کے باوجود معافی نامہ دے کر رہائی حاصل کرنے سے لے کر مرار جی ڈیسائی، چرن سنگھ اور جگ جیون رام کے ساتھ اقتدار کی جنگ میں کیا کیا کھیل کھیلا گیے۔ یہ تمام باتیں ان کی سیاست کے طریق واردات کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ نیز جو بات پاکستان کے لیے جاننا بہت بنیادی اہمیت کی حامل ہے وہ واجپائی صاحب کا روس کی طرف خصوصی جھکاؤ ہے (اور یہی بات ان کے وزیر دفاع جارج فرنانڈیز کے بارے میں منقول ہے)۔ نیز دونوں کو چین کے بارے میں شدید تحفظات ہیں اور یہی وہ چیز ہے جو ان کو امریکہ کے لیے قابل قبول ہی نہیں بناتی بلکہ مستقبل میں علاقائی سیاست میں ایک خاص رول کی طرف اشارہ کرتی ہے جبکہ چین ہمارا سب سے قابل اعتماد دوست رہا ہے۔ چین سے تعلق کے اس نازک پہلو کو نظرانداز کر کے واجپائی حکومت سے دوستی کی بات کرنا، ایک خطرناک غلطی ہو گی۔

یہ ہے وہ بی جے پی اور اس کے وزیراعظم جناب اٹل بہاری باجپائی جن سے دوستی کی پینگیں بڑھانے کے لیے ہمارے وزیراعظم اور ان کے ساتھی بے چین و مضطرب ہیں۔ بقول غالب۔

دیکھیے، پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

بھارت کے سیاسی تناظر کے اس جائزے کے بعد ایک نظر حکومت پاکستان کے موقف اور اس کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات پر بھی ڈالنا ضروری ہے۔

پہلی بات جو سوچنے سمجھنے والے افراد میں اضطراب پیدا کرنے کا سبب بنی ہے وہ بھارت سے دوستی کا وہ شوق بے پایاں ہے جس کا مظاہرہ وزیراعظم صاحب فروری ۱۹۹۷ میں برسر اقتدار آنے کے بعد سے موقع و محل سے بے پروا ہو کر فرما رہے ہیں اور بھارت کی طرف سے ہر تازیانے کے باوجود ان کے اس شوق اور اس کے اظہار میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۔

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بھارت کے وزیراعظم، وزیر دفاع اور دوسرے قائدین برابر کہہ رہے ہیں کہ کشمیر پر کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی اور اگر ہو گی تو آزاد کشمیر کو پاکستان سے حاصل کرنے کے سوال پر ہو گی لیکن یہاں سے مذاکرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذاکرات کی رٹ برابر لگائی جا رہی ہے۔ بھارت میں کیسی بھی سرکار بر سر اقتدار ہو، یہاں سے شوق جبہ سائی میں کوئی کمی نہیں، بلکہ ادھر سے جتنا اجتناب اور اعراض و اغماض بڑھے ادھر سے شوق و اضطراب اور چاہت میں اتنا ہی اضافہ ہو رہا ہے۔ پھر یہ بات قابل ذکر ہے کہ گجرال کے وزیراعظم بننے پر جو خط ہمارے وزیراعظم نے لکھا تھا اس میں کشمیر کے مسئلے کو کلیدی مسئلے (core issue) کے طور پر بیان کیا گیا تھا مگر اب جو خط واجپائی صاحب کو لکھا گیا ہے اس میں کشمیر کا ذکر تو ہے مگر بحیثیت کلیدی مسئلے کے نہیں۔ اس سے آگے بڑھیں تو کلدیپ نیر کو اپنے انٹرویو میں وزیراعظم یہ سندیسہ دیتے نظر آتے ہیں کہ بس کشمیر پر بات کرنے کا اظہار کر دو، بات کرو یا نہ کرو اور کتنی مدت تک بات کیے جاؤ، حاصل کچھ ہو نہ ہو، یہ سب قابل قبول ہے۔ کلدیپ نیر لکھتے ہیں:

> "کشمیر پر مذاکرات شروع ہو جائیں تو نواز حکومت کو اطمینان حاصل ہو گا۔ ان کے ذہن میں کوئی ٹائم فریم نہیں ہے۔ انھوں نے تین ماہ قبل اپنے انٹرویو میں بتایا تھا کہ کشمیر پر بات چیت شروع ہو جائے، اس کے بعد کتنا بھی وقت کیوں نہ لگ جائے میں اس کی پروا نہیں کروں گا۔ ان کی پوزیشن کم و بیش اب بھی وہی ہے۔ لیکن نئی دہلی میں نئی حکومت کے قیام کے بعد بال کو رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان سے سوال کیا گیا کہ ان کی اس اپروچ سے فوج مطمئن ہو جائے گی تو انھوں نے کہا فوج کی مداخلت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ان کی طرف سے مجھ پر کوئی دباؤ نہیں۔ (روزنامہ خبریں، یکم مارچ ۱۹۹۸)

اسی بات کو وزیر خارجہ جناب گوہر ایوب صاحب نے کولمبو میں ہندستان کے اخبار کے نمایندے کو انٹرویو دیتے ہوئے اس طرح بیان فرمایا ہے:

> "کشمیر کا مسئلہ بالآخر (eventually) دونوں ملکوں میں بار بار مذاکرات کا موضوع بنے گا۔ بالآخر پر زور کا مطلب غیر معینہ مدت تک انتظار کے معنوں میں لیا جا سکتا ہے۔ گوہر ایوب نے کہا اگر بھارت کشمیر پر مذاکرات کو بالکلیہ مسترد کرتا ہے تو پھر پاکستان کے لیے مذاکرات جاری رکھنا مشکل ہو جائے گا"۔ (دی ہندو، ۳ فروری ۱۹۹۸)

اس انٹرویو میں گجرال کے کچھ "نئے خیالات" کا ذکر کیا گیا ہے اور اس پس منظر میں گوہر ایوب صاحب دی ہندو کے نمایندے سے جناب نواز شریف کے واسطے سے وہ بات فرما دیتے ہیں جو پاکستان کے اصولی موقف پر ضرب کاری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"Mr. Ayub Khan quoted Mr. Sharif as having told Mr. Gujral further as follows: "If we (India and Pakistan) have to get lawyers to

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

interpret the very basis of certain agreements to sort the negotiations, where are we going to go? We (Pakistan) are not going to go there. It has to be a will to start the dialogue". (The Hindu, 7 Feb, 98)

گوہر ایوب نے بتایا کہ نواز شریف نے گجرال سے یہ بھی کہا ہے اگر ہم (بھارت اور پاکستان) کو مذاکرات میں آگے بڑھنے کے لیے بعض معاہدوں کی تعبیر کے لیے وکلا کی مدد لینا پڑے، تو ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم (پاکستان) وہاں نہیں جا رہے۔ مکالمہ شروع کرنے کے لیے ارادے کی ضرورت ہے۔ (دی ہندو، ۷ فروری ۹۸)

ایک طرف کشمیر کے مسئلے کی مرکزی اور اولیں پوزیشن پر سمجھوتہ، دوسری طرف (بھارت سے ۴۰ ارب روپے کے خسارے کی تجارت کے باوجود) تجارتی تعلقات بڑھانے کی بے چینی، سارک کانفرنس کے موقع پر وزیراعظم کا دو سے تین سال میں ان ممالک کے free trade zone پر اتفاق کر لینا، ثقافتی اور تجارتی وفود کی بھرمار، وزیراعظم صاحب کے صاحبزادے کا دورہ بھارت، بسنت جیسے ہندو تہوار کو نہ صرف پاکستان میں رواج دینا بلکہ اس موقع پر بھارت کے ثقافتی طائفے کا استقبال اور بار بار یہ دعویٰ کہ وزیراعظم کو یہ سب کچھ کرنے کا کوئی مینڈیٹ حاصل ہے--- یہ وہ تمام چیزیں ہیں جو پاکستان اور امت مسلمہ کے مقاصد اور مفادات سے صریح طور پر متصادم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود نوائے وقت، جس نے اس حکومت کی سب سے زیادہ تائید کی ہے، ان سب باتوں پر چیخ پڑا ہے اور اسے کہنا پڑا ہے کہ اس خطرناک کھیل کو لگام لگنی چاہیے۔ (ملاحظہ ہو صرف ایک مہینے میں آٹھ اداریے، یکم مارچ، ۳ مارچ، ۵ مارچ، ۶ مارچ، ۲۰ مارچ، ۲۷ مارچ، ۳۰ مارچ، ۳۱ مارچ)

صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت پاکستان کا رویہ ژولیدہ فکری، سمجھوتہ کاری اور اصولی موقف سے فرار کی راہیں تلاش کرنے کا غماز ہے۔ نہ قوم نے کسی حکمران کو اس انحراف بلکہ غداری کا مینڈیٹ دیا ہے اور نہ وہ اسے کسی قیمت پر برداشت کرے گی۔ یہ سلسلہ فوری طور پر ختم ہونا چاہیے۔ ورنہ ملک کو شدید اندرونی اور بیرونی انتشار سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔

حکومت نے ایک اور مہا غلطی (Himalyan Blunder) کیمیکل ہتھیاروں کے معاہدے (Chemical Weapons Convention CWC) کی ضروری تحفظات کے بغیر توثیق کر کے کی ہے۔ یہ معاہدہ دراصل ساری دنیا پر مغربی اقوام کے تسلط کو قائم کرنے کے منصوبے کا ایک حصہ ہے۔ نیوکلیر سدجارحیت (deterrent) کی طرح کیمیکل ہتھیار بھی ایک نوعیت کے سدجارحیت کا رول ادا کرتے ہیں۔ محض اس لیے کہ بھارت اس پر تیار ہو گیا ہے اسے قبول کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ نیوکلیر اسلحہ کی طرح جس کے پاس کیمیاوی ہتھیار ہیں، پہلے وہ ان کو ضائع کرے نہ کہ دوسروں کے ہاتھ پاؤں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابند ہے۔ پھر بھارت نے حسب عادت دھوکے سے کام لیا۔ پہلے کہا کہ ہمارے پاس کوئی کیمیاوی ہتھیار نہیں ہے لیکن عین توثیق کے وقت کیمیاوی مواد کی موجودگی کا اعتراف کر کے اس کو بچا لینے کی کوشش کی۔ پھر اس کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ جس طرح امریکہ CWC کے معاملہ میں پیش پیش ہونے کے ساتھ اپنے ملکی قانون کے ذریعے دو معاملات میں تحفظات حاصل کر رہا ہے یعنی معائنے کی جگہوں کے سلسلے میں امریکی صدر کے انکار کا اختیار اور معائنہ کرنے والے ممالک کے بارے میں رد و اختیار کا حق --- ہم بھی یہ اختیار حاصل کریں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو تحفظات امریکہ اپنے لیے حاصل کر رہا ہے ان سے دوسرے ممالک کو محروم رکھا جائے۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پچھلے کئی سالوں سے معائنے کے حق کو بارہا غلط طور پر مداخلت اور تنگ کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ آج عراق میں یہی ہو رہا ہے اور کل دوسرے ممالک بھی اس کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ بھارت اور اسرائیل یہ کھیل کھیل سکتے ہیں اور معاہدے کے آرٹیکل IV، VI اور Verification Annex میں وہ سارے اختیارات موجود ہیں جن کو فتنہ جو غلط طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ ان کے خلاف تحفظ کم از کم ملکی قانون کی شکل میں ضروری تھا اور ہے۔

غوری میزائل کا تجربہ ایک بروقت اور قابل قدر اقدام ہے جس کی تحسین ہونی چاہیے۔ اس سے نیوکلیر سد جارحیت کو مکمل اور مزید مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ یہ وقت کی بڑی اہم ضرورت ہے لیکن اس خطرے سے پوری طرح آگاہ رہنے کی ضرورت ہے کہ امریکہ کی طرف سے نرم ردعمل کی قیمت سی ٹی بی ٹی پر دستخط کی شکل میں ادا کرانے کی ہر سازش کا بروقت توڑ کیا جائے۔

امریکہ اس پس منظر میں بھارت کو سی ٹی بی ٹی کی مشروط قبولیت کے لیے تیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اسے یہ دلاسہ دیا جا رہا ہے کہ تم عملاً تو نیوکلیر پاور ہو، ۸۰ سے ۱۰۰ بم تم بنانے کی پوزیشن میں ہو اور بھارتی سائنس دانوں کے حالیہ دعووں کی روشنی میں ایک ہزار بم تک بنانے کا خام مواد موجود ہے۔ ان حالات میں امریکہ بھارت کو غیر سرکاری طور پر نیوکلیر پاور مان لے گا اور باقی ساری مراعات دے گا اگر وہ سی ٹی بی ٹی پر دستخط کر دے۔ اگر بھارت آمادہ ہو جاتا ہے تو پھر سارا دباؤ پاکستان پر ہو گا کہ اپنے وعدے کے مطابق دستخط کرو اور اپنی سہولتوں کو معائنے کے لیے کھولو، اس کی پیش بندی کی فوری ضرورت ہے۔ اس کا راستہ یہ ہے کہ ایک طرف میزائل پر تحقیق اور عملاً میزائل کو دفاعی نظام کا حصہ بنانے (Induction) کو آگے بڑھایا جائے اور دوسری طرف اتنی نیوکلیر استعداد پیدا کر لی جائے کہ کم از کم آیندہ بیس پچیس سال کے لیے بھارت کی حد تک مقابلے کا deterrent موجود رہے۔

اس وقت پاکستان کی اصل ضرورت بھارت سے مذاکرات یا تجارت نہیں بلکہ اپنے گھر کی اصلاح اور نظریاتی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور عسکری اعتبار سے ملک و قوم کو مستحکم کرنا ہے۔ نظریاتی انتشار کو ختم کرنے اور قومی مقاصد کے بارے میں یکسوئی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ امن و امان کی صورت حال کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاح اور سرحدوں کی حفاظت صرف فوجی کارروائیوں کے سلسلے ہی میں نہیں بلکہ تخریب کاری اور سمگلنگ کے سدباب کے لیے بھی ضروری ہے۔ فوج کی تخفیف نہیں اس کی optimal rationalisation اور بہتر قوت کار (readiness) کا اہتمام کیا جائے۔ ایرفورس اور نیوی میں جو نسبتاً کمزوری (relative weakness) پیدا ہو چکی ہے، اس کا تدارک ہو۔ بیرونی قرضوں کے ری شیڈولنگ کے لیے کوئی پیکج فوری طور پر تیار کیا جائے تاکہ وسائل، دفاع اور انسانی اور معاشی ترقی کے لیے فراہم ہو سکیں۔

بھارت سے صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں ہمارا اولیں اور اصل مسئلہ ہے۔ اگر اس مسئلے پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیری عوام کی مرضی معلوم کرنے کے نظام کار پر بھارت بات چیت کے لیے تیار ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد، ورنہ بھارت سے کسی نوعیت کے مذاکرات اور تجارتی اور ثقافتی تعلقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ بھارت کے تجارتی بائیکاٹ کا آغاز خود اپنے ملک سے کیا جائے اور پوری دنیا کو اس کی دعوت دی جائے جیسا کہ او آئی سی کی کراچی اور کیسابلانکا قراردادوں میں کہا گیا ہے۔ ثقافتی تعلقات، کھیل میں تعاون اور اسی نوعیت کے دوسرے نام نہاد اعتماد بنانے والے اقدامات صرف ایک دھوکہ ہیں اور ہمیں صاف کہہ دینا چاہیے کہ کشمیر میں مظالم اور حق استصواب سے محرومی کی صورت میں ان میں شرکت ایک باغیرت قوم کے لیے ممکن نہیں۔ قومی سلامتی اور دفاع کی مضبوطی کے لیے ہمہ گیر اقدامات کیے جائیں اور ملک میں عسکری، معاشی اور ثقافتی میدانوں میں خود انحصاری (self-reliance) کو اولیں اہمیت دی جائے۔ اس سے ہماری گفت و شنید کی استعداد اور قوت میں بھی اضافہ ہوگا اور ملک خود کفالت اور خوش حالی کی طرف بڑھ سکے گا۔

بھارت میں ہندو انتہا پرستی کے غلبے سے جو چیلنج خود بھارت کے لیے اور اس کے مسلمانوں کے لیے رونما ہوا ہے اور جو مسائل اور خطرات پاکستان اور دوسرے ہمسایہ ممالک کے لیے پیدا ہوئے ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کرنے، ان کے مقابلے کے لیے صحیح منصوبہ بندی کرنے، ان کے سلسلے میں علاقائی اور عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر ان کا مقابلہ کرنے کے لیے حقیقت پسندانہ اقدامات کرنا وقت کی اصل ضرورت ہے۔ اس پورے عمل میں قوم کو اعتماد میں لینا اور اسے ہر مقابلے کے لیے تیار کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔ ان حالات میں بھارت سے دوستی کے خواب دیکھنا اور اس سراب میں پانی تلاش کرنا تحصیل لاحاصل ہے۔ اس کی مثال اس شترمرغ کی ہے جو خطرے کا مقابلہ کرنے کی بجائے ریت میں سر چھپا لیتا ہے۔ مردوں کا کام مقابلے کی تیاری ہے اور یہ جان کر تیاری کرنا ہے کہ کس قسم کے مدمقابل سے سابقہ ہے۔ چیتا اپنی اصلیت کبھی نہیں بدلتا اور محض بھیڑ کی کھال اوڑھ لینے سے بھیڑیا بھیڑ نہیں بن جاتا۔ دوست دشمن میں تمیز اور دشمن سے مقابلے کی قوت پیدا کر کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا ہی زندہ قوموں کا شعار ہے۔

© rasailojaraid.com